ایک رات بھٹو کی قبر پہ

مستقبل

فرخ سہیل گوئندی

04-04-2013

4اپریل 1980ء کو سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو شہید کی پہلی برسی تھی۔ پورے ملک میں جنرل ضیاالحق کی آمرانہ حکومت نے ٹرینوں اور بسوں کے ذریعے سندھ جانے والے تمام راستوں پر پولیس اور فوج کے کڑے پہرے لگا رکھے تھے تاکہ ذوالفقار علی بھٹو کے حامی اپنے قائد کی پہلے یوم شہادت کی تقریب میں شامل نہ ہوسکیں۔ تمام سیاسی جماعتیں ممنوع اور پی پی پی کے کارکنوں کی بڑی تعداد جیلوں میں تھی۔ محترمہ بینظیر بھٹو اور بیگم نصرت بھٹو فوج کے کڑے پہروں میں نظربند تھیں۔ پارٹی کی تمام قیادت، مرکزی، صوبائی حتیٰ کہ ضلعی قیادت بھی جیلوں میں تھی۔ سکھر جانے والی ٹرینوں اور سڑکوں پر خصوصی طور پر ملیشیا اور فوج کے پہرے تھے کیوں کہ سکھر سے رتوڈیرو اور نوڈیرو کے بعد ذوالفقار علی بھٹو شہید کی جائے پیدائش اور مدفن گڑھی خدابخش پہنچا جاسکتا تھا۔ گڑھی خدابخش پہنچنا ایک مشکل کام تھا۔ ان راستوں پر فوجی سرکار نے پرائیویٹ ٹرانسپورٹ بھی بند کر رکھی تھی۔ سندھ کے خاموش دیہات میں خوف اور دکھ کا راج نظر آرہا تھا۔ ایسی خاموشی شاید ہی کبھی دیکھی ہو۔ صحرائی خاموشی، بند ہونٹ مگر پیغام دیتی نگاہیں۔ ایک سال قبل جب ذوالفقار علی بھٹو کو 3 اور 4 اپریل کی درمیانی شب تختہ دار پر چڑھایا گیا تو ایک شاعر نے کہا:

میں مرزا ساگر سندھ دا
میری راول جنج چڑھی

جوہر میر نے سولی پر چڑھنے والے کی شریک حیات کا نوحہ لکھا:

اسلام آباد کے کوفے سے
میں سندھ مدینے آئی ہوں

سولی چڑھنے والے کے عشق میں مبتلا جب یہ نوجوان لاہور ریلوے سٹیشن پر پہنچا تو پلیٹ فارم پر درجنوں سفید کپڑوں میں ملبوس خفیہ والے سکھر جانے والی ٹرینوں کے مسافروں کا خوفناک نگاہوں سے ایکسرے کر رہے تھے۔ ملک دو حصوں میں تقسیم تھا۔ ایک ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی پر چڑھانے کا حامی تھا اور دوسرا سولی پر چڑھنے والے کا حامی۔ سولی پر چڑھانے والا طبقہ، فوجی آمریت کے سائے میں گلی گلی، کوچہ کوچہ، شہر شہر دندناتا پھر رہا تھا اور سولی پر لٹکائے جانے پر کہہ رہا تھا، ''انصاف بے رحم ہے، ایک خائن اور کافر اپنے انجام کو پہنچا۔'' جب کہ سولی پر چڑھنے والے ذوالفقار علی بھٹو کا حمایتی طبقہ، ریاست اور حکومت کے جبر کے سائے میں سکوت اور خوف کا شکار تھا، اس کے لیے گلی گلی پشتوں پر کوڑے مارنے کے لیے ٹکٹکیاں لگائی گئی تھیں اور کوڑے کھانے والے کے منہ کے آگے مائیک لگا دیا جاتا تھا تاکہ تشدد کے سبب اٹھنے والی چیخوں کو ہزاروں لوگ سن کر ''عبرت'' حاصل کریں۔ اسی لیے تو امریکہ کے وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے اگست 1976ء میں ذوالفقار علی بھٹو کو کہا، ''ہم تمہیں تیسری دنیا کے لیے نشانِ عبرت بنا دیں گے''۔

لاہور ہائی کورٹ نے پاکستان کے پہلے منتخب وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے لیے ایک خصوصی کٹہرا اس کو ''عبرت ناک مثال'' بنانے کے لیے بنایا اور پھر عدالت نے اپنے فیصلے میں ''عبرت کا نشان بنائے گئے مجرم'' کو نام کا مسلمان قرار دے کر عدالتی فتویٰ بھی صادر کیا

۔مگر جنرل ضیا کی آمریت کو اس ''مجرم'' کو 4 اپریل 1979ء کو سولی پر چڑھا دینے کے بعد بھی تسکین نہ ہوئی، اسی لیے تو سولی پر چڑھائے گئے شخص کی میت کی بے حرمتی کر کے خصوصی فوٹو گرافر سے لاش کی تصاویر اتاری گئیں اور یہ تصدیق چاہی گئی کہ آیا اسلامی کانفرنس کا چیئرمین مسلمان ہے۔۔۔ یقیناً یہ تصاویر حاکم وقت نے دیکھی ہوں گی۔

آج اُسی ''عبرت کی نشانی بنائے گئے شخص'' کی پہلی برسی تھی۔ ٹرین میں نشست تو درکنار مسافروں کی ایک بڑی تعداد کو جب یہ پتا چلا کہ یہ عاشق نوجوان ''تیسری دنیا کے لیے عبرت کا نشان بنائے گئے شخص'' کی برسی میں جارہا ہے تو ان ''نیک سیرت'' مسافروں نے ''گناہ گار مسافر'' کو ٹرین سے اتارنے کی کوشش کی۔ ''گناہ گار نوجوان''، سکھر تک دن اور رات کا سفر ٹرین میں کھڑے ہو کر کرنے پر بھی خوش تھا اور ''نیک سیرت'' مسافر اس ''گناہ گار مسافر'' کی اس سزا پر سکونِ قلب محسوس کر رہے تھے۔ یہ تھی وہ فضا، جس میں ذوالفقار علی بھٹو کی پہلی برسی منائی جارہی تھی۔

سکھر سے رتوڈیرو اور رتوڈیرو سے گڑھی خدا بخش تک ہمارا ساتھی ''جمہوریت بحال کرو''، ''آئین بحال کرو'' اور ''آمریت مردہ باد'' کے نعرے لگانے والا چاچا غلام رسول تھا۔ چاچا کو رنگ محل لاہور میں ریاست کے ''چٹ کپڑیوں'' اور ڈنڈا بردار اسلامی جمعیت والے بھائیوں نے ''مردِ غازی مردِ حق، ضیاالحق ضیاالحق'' کے نعرے لگاتے ہوئے دبوچ لیا تھا اور پھر چاچا غلام رسول کی پشت پر دس کوڑے لگا کر ''اسلامائزیشن'' کو، جنرل ضیاالحق نے تقویت دی۔ سکھر سے گڑھی خدا بخش کا سفر تقریباً بیس کلومیٹر پیدل اور باقی ایک سندھی نوجوان کے موٹر سائیکل پر کیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہم فلسطین آ گئے ہیں، جہاں پر جگہ جگہ فوجی چوکیاں قائم تھیں۔

رات گڑھی خدا بخش کی ایک حویلی کے کھنڈر میں گزاری۔ درجن بھر دیگر ''گناہ گار'' بھی آ گئے تو ہمت بندھی۔ 4 اپریل کی صبح پانچ بجے کے قریب ایک قافلہ پاکستان پیپلز پارٹی کے پرچم کے رنگوں میں بنی چادر کے ساتھ گڑھی خدا بخش بھٹو میں ماتم کرتے ہوئے داخل ہوا تو یقین ہوا کہ علمِ عباسؓ بلند ہو چکا ہے۔ بغاوت کی چنگاریاں موجود ہیں۔ گلگت کے پہاڑوں سے آیا یہ قافلہ سینہ کوبی کرتے ہوئے شہید کربلاؓ کا بھی ذکر کر رہا تھا۔ پارٹی کے جھنڈے سے بنی چادر ایسے ہی لے جائی جارہی تھی جیسے لاہور کے زندہ دلان، شاہ حسینؒ کے مزار پر جاتے ہیں۔ ایک سیاسی رہنما اب لوک کہانی کے کردار میں ڈھل چکا تھا۔ گڑھی خدا بخش کی اس وقت کُل آبادی 200/250 افراد سے زیادہ نہیں تھی جب کہ ''چٹ کپڑیئے'' (حساس اداروں کے کارندے) آبادی سے زیادہ اِدھر اُدھر سب پر خونی نگاہیں رکھ رہے تھے۔ قافلے آتے گئے، مجمع بنتا گیا۔ دوپہر بارہ بجے تک جب گڑھی خدا بخش بھٹو میں ہزاروں لوگ جمع ہو چکے تھے تو ایک نوجوان نے نعرہ بلند کیا۔

جب تک سورج چاند رہے گا
بھٹو تیرا نام رہے گا

یہ نوجوان علی سنارا تھا۔ گڑھی خدا بخش بھٹو انسانوں سے لبریز ہو چکا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے چہلم کے بعد اس دیہہ نے دوسری بار اتنا بڑا ہجوم دیکھا تھا۔ تیسری دنیا کا نعرہ بلند کرنے والے ذوالفقار علی بھٹو کے پہلے یومِ شہادت پر آتے یہ لوگ۔ دوپہر کو صنم بھٹو خاموشی سے آئیں اور فاتحہ پڑھ کر چلی گئیں۔ ان کی آمد پر نعرے لگے، ''یزید پر لعنت بے شمار، بھٹو سائیں زندہ باد۔''

وہ ابھی روانہ ہی ہوئی تھیں کہ اس ''گناہ گار'' کو چاچا غلام رسول نے کہا کہ مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر بھٹو کی برسی کے حوالے سے تقریر کرو۔ کیوں کہ ساری قیادت گرفتار تھی اور پارٹی کو حکومت نے قیادت سے محروم کرنے کے لیے یہ سعی کی تھی۔ راقم نے ایک دھواں دار تقریر کی اور پھر مجمع گڑھی خدا بخش سے ایک جلوس کی شکل میں نوڈیرو کی جانب چلنا شروع ہو گیا۔ ایک ہی نعرہ لگ رہا تھا، ''المرتضیٰ کی دیواریں توڑیں گے، بے نظیر اور نصرت بھٹو کو چھڑائیں گے۔'' ڈیڑھ کلومیٹر کے بعد تعینات ملیشیا نے بپھرے جلوس کو روکنے کا کہا لیکن عاشقانِ بھٹو کہاں رکنے والے تھے۔ گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی، مجمع کھیتوں اور کھلیانوں میں بکھرنے لگا۔ راقم کی گردن کو ایک گولی چھوتی ہوئی نکلی اور دائیں جانب دیکھا تو ملتان سے آیا طلعت خون میں لت پت پڑا تھا۔ ہم چند نوجوان تڑپتی لاش کو اٹھانے لگے تو درجنوں وردی والے ملیشیا نے ہم پر گنیں تان لیں۔

شام ڈھلتے گڑھی خدا بخش بھٹو خالی ہونا شروع ہوا۔ راقم نے چاچا غلام رسول سے کہا کہ ہم آج کی رات بھٹو کی قبر پر گزاریں گے۔

چاچا غلام رسول چونک گیا کہ نہیں، یہ ایک خطرناک تجربہ ثابت ہوسکتا ہے۔ ہم نے کہا، تو ہونے دیں۔

جب سارا مجمع چلا گیا تو ذوالفقار علی بھٹو کی قبر کے ارد گرد بچھائے گئے گھاس پر ہم دونوں بیٹھ گئے۔ خفیہ والے حیران تھے، رات کے بارہ بجے مختصر سے خاندانی قبرستان کے باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ ہم سمجھے کہ وہ آ گئے جس کا خدشہ چاچا غلام رسول نے ظاہر کیا تھا۔ ہم نے دیکھا ایک ادھیڑ عمر شخص جس کے کپڑوں پر خون اور جسم کو ملیشیا کی گولی نے چھلنی کیا ہوا تھا، ذوالفقار علی بھٹو کی قبر کی طرف آیا۔

استفسار پر جواب ملا۔ میں طلعت شہید کا والد ہوں۔ بیٹے کی لاش مارشل لاء والوں نے واپس کر دی ہے۔ صبح یہ میرے گڑھی خدا بخش بھٹو کی طرف بڑھتے قدم بیٹے کی لاش کے سبب رک گئے۔ لیکن میں اپنے قائد کی قبر پر فاتحہ پڑھے بغیر اور سلامِ عقیدت کے بغیر واپس کیسے ملتان جا سکتا تھا اور پھر طلعت شہید کا والد اس رات دو بجے تک ذوالفقار علی بھٹو کی قبر پر بیٹھا قرآن خوانی کرتا رہا۔ یہی وہ وقت تھا جب ایک سال قبل جنرل ضیاالحق نے رحم کی تمام اپیلیں مسترد کر کے ذوالفقار علی بھٹو کو راولپنڈی کی ڈسٹرکٹ جیل میں سولی پر جھولا دیا تھا۔